© rasailojaraid.com

امام غزالی بحیثیتِ صوفی

ابو سلمان شاہجہاں پوری

اسلامی تاریخ اپنے صفحات میں انسانی فضل وکمال کی بہت سی داستانیں رکھتی ہے۔ بڑے بڑے فلاسفہ ہیں جنہوں نے اس کائنات اور انسانی زندگی کے راز معلوم کرنے کی کوشش میں اپنی زندگیاں ختم کر دیں۔ اولوالعزم سیاح ہیں، جنہوں نے دنیا کے مختلف خطوں کا پتہ چلانے اور حالات دریافت کرنے کے شوق میں زندگی کی راحتوں کو تج دیا تھا۔ بڑے بڑے مناظر و متکلم اور معقولی ہیں۔ جن کی حاضر جوابیوں، نکتہ آفرینیوں قوت استدلال اور زور بیان کا ایک عالم نے لوہا مانا ہے، ایسے مدرسین ہیں جن کی تعلیمی و تدریسی خدمات کا شہر افکارِ عالم میں پھیلا، بڑے بڑے مصنفین باعز و شان نظر آتے ہیں جن کی گرانقدر تصنیفات نے صدیوں کی الٹ پھیر کے بعد بھی اہمیت نہ کھوئی اور دنیا کے علماء و فضلاء نے سر آنکھوں پر ان کو جگہ دی۔ جلیل القدر علماء ہیں جن کی اسلامی خدمات کو تذکرہ آتا ہے تو نگاہ عقیدت سے جھک جاتی ہے، پاک باطن صوفیاء کی دنیا سے بے نیازی اور مجاہدات کے حیرت میں ڈالنے والے قصے ہیں، وہ جسور و غیور صاحبانِ دعوت و عزیمت ہیں کہ راہ حق میں جن کی سرفروشیوں، جاں سپاریوں اور عزیمت کا سنہرے حرفوں میں لکھا جانے والا باب کھلا، جن کے قدموں میں دنیا کی جاہ و حشمت تھی، راحتوں اور دلفریبیوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے تھے۔ لیکن ایک کلمۂ حق کے مقابلے میں ان کی غیرت علمی اور حمیت اسلامی نے اس ننگ کو گوارا نہ کیا، پائے حقارت سے اس جاہ و حشمت کو ٹھکرا دیا اور ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ لیکن اگر ہم کسی ایک ہی شخصیت کو تذکرے کے لئے منتخب کرنا چاہتے ہیں، جس میں مذکورہ بالا تمام طبقاتِ علماء کی تقریباً تمام خصوصیات موجود ہوں تو ابو حامد محمد بن محمد غزالیؒ کے سوا شاید ہی ایسی جامع صفات شخصیت ملے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام محمد غزالی بیک وقت ایک ماہر اصولی، نکتہ سنج مناظر اور متکلم، بالغ نظر فلسفی کامیاب مدرس، انسانی نفسیات کے ماہر، پاک باطن صوفی، تصوف کے رمز شناس، حق واطمینان وسکون قلب کی تلاش میں گھر بار کو تج دینے والے اور زندگی کی راحتوں اور آسائشوں سے بے نیازانہ منہ پھیر لینے والے، دنیاوی وجاہتوں اور حشمتوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دینے والے اللہ کے عشق کے سودائی، اس کی محبت میں سرشار اور مقام زہد کے حقیقی آشنا تھے۔ شیخ فراغی نے ان کی شخصیت کی اس جامعیت کی نسبت فرمایا تھا کہ۔

"جب مختلف علماء کا ذکر آتا ہے تو اس سے ذہن ان خصوصیات کی طرف منتقل ہوتا ہے جو ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، یا جن کی وجہ سے ان کو دوسروں پر امتیاز حاصل ہے مثلاً جب ابن سینا اور فارابی کا نام آئے گا تو ان کی فلسفیانہ اور حکیمانہ حیثیت نکھر کر قلب وذہن کے سامنے آجائے گی ابن عربی کا تذکرہ ہوگا تو اس انداز کا تاثر ابھرے گا کہ کسی بلند پایہ صوفی کے حالات بیان کئے جارہے ہیں۔ اس طرح بخاری، مسلم، امام احمد بن حنبل کا تذکرہ ہوگا تو معلوم ہوگا حفظ وصدق کے اونچے پہاڑوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو معرفت رجال میں ملکہ راسخہ رکھتے تھے۔ لیکن غزالی کا معاملہ اس سے جدا ہے ان کا نام آتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی ایک ہی آدمی کا ذکر نہیں کیا جارہا ہے۔ بلکہ بیک وقت کئی اشخاص زیر بحث ہیں جن میں کا ایک ایک علم وفضل کی مستقل بالذات اقلیم کا تاجدار ہے"

امام محمد غزالی سنہ ۴۵۰ھ میں طوس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ان کے والد صوفی مشرب اور درویش صفت بزرگ تھے ان کے ایک بھائی احمد غزالی بھی تھے۔ جو اپنے وقت کے مشہور صوفی تھے۔ وعظ وارشاد کے علاوہ تصنیفی وتعلیمی ذوق بھی تھا۔ ان کی محافلِ وعظ وتلقین میں لوگ بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔ ان کی تصانیف میں امام محمد غزالی کی احیاء العلوم کی شرح اور کئی دیگر رسائل کا پتہ چلتا ہے۔ امام صاحب کی عدم موجودگی میں کئی سال تک نظامیہ میں طلباء کو درس دیتے رہے۔

امام غزالی جس زمانے میں پیدا ہوئے بغداد سے نیشاپور تک مدارس کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ گھر گھر علم کا چرچا تھا۔ زیادہ توجہ فقہ، اصول فقہ، اور اختلاف مذاہب پر دی جاتی تھی۔ اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے اور اپنی استعداد وصلاحیت کا لوہا منوانے کے لئے مناظرہ وکلام کے میدان تھے۔ امام صاحب کو ایک بہترین علمی دور ہی میسر نہیں آیا بلکہ ان کی خوش قسمتی نے ان کو وقت کے بڑے بڑے علماء کا شاگرد ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ان سے استفادہ کرنے کا شرف بھی بخشا۔ احمد بن محمد الراذکانی جو اپنے وقت کے جید عالم تھے، امام ابونصر الاسمٰعیلی جن کے درس کا شہرہ دور دور تھا اور امام الحرمین علامہ ضیاء الدین الجوینی جن کو استاد شرق و غرب کے نام سے پکارا جاتا تھا، امام غزالی نے ان حضرات سے مختلف علوم میں استفادہ کیا۔

امام محمد غزالی کی ذہانت، طباعی اور ذکاوت کی شہرت ان کی طالب علمی کے زمانہ ہی میں پھیلنے لگی تھی۔ علامہ جوینی کے فیوض صحبت سے دامن بھر کر نیشاپور سے نکلے تو ان کی شہرت وزیرالدولہ نظام الملک کے دربار تک پہنچ چکی تھی اس لئے امام صاحب کی بڑی آؤ بھگت کی۔ مدرسہ نظامیہ کی مسند تدریس پیش کی گئی۔ یہاں سے ان کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیل گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے گرد بیک وقت تین تین سو جید علما کا حلقہ رہتا تھا۔ سلاطین سلجوقیہ اور عباسیہ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ تقریباً دس سال تک وہ اس منصب جلیلہ پر فائز رہے لیکن اس دوران میں ان پر ایک ایسا دور بھی آیا جب کہ وہ ایک مدت شکوک و شبہات میں مبتلا رہے، فرماتے ہیں۔

"جب اس طرح کے اندیشے دل میں ابھرے اور اس انداز کے جذبات شکوک و شبہات کا باعث ہوئے تو میں نے ہر چند چاہا کہ اس بیماری کا علاج کروں لیکن یہ نہ ہو سکا کیونکہ اس بیماری کا علاج تو دلائل ہی سے ممکن ہے اور دلیل اس پر موقوف ہے کہ اولیات سے مرکب ہو مگر اولیات جب اعتبار کھو بیٹھے تو دلیل قائم کرنا اور ثبوت مہیا کرنا سخت دشوار ہو گیا۔۔۔۔۔۔

"لیکن یہ تشکیک ذہن کی ایک کیفیت اور قلب کے ایک اضطراب سے تعبیر تھی۔ نطق و مقال میں اس کا اعتبار نہیں ہوا تھا (سرگذشت غزالی ص $\frac{۱۱۵}{۱۱۶}$) جب امام غزالی کو اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑا تو ان کے سامنے تلاش حقیقت کے چار راستے تھے۔

۱۔ متکلمین کا راستہ، یہ لوگ اپنے آپ کو اہل الرائے اور اہل النظر کہتے ہیں۔ ۲۔ باطنیہ کا طریقہ تعلیم، یہ لوگ امام معصوم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ امام معصوم ہی سے انوار و معارف کا اکتساب ممکن ہے۔ ۳۔ فلاسفہ کا طریق فکر و استدلال۔ یہ خیال کرتے ہیں کہ تمام حقائق کا ادراک عقل کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے، یہ لوگ منطق و برہان کے شکار ہیں۔ ۴۔ چوتھا اور آخری گروہ ان کے سامنے صوفیاء کرام کا آیا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے خاص مقرب ہیں اور مشاہدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکاشفہ سے براہ راست بہرہ مند ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں۔

"جب میں نے ان چاروں قسموں پر غور کیا تو دل نے کہا حق و صداقت کی راہ ان چاروں ہی میں منحصر ہوگی ان سے باہر سچائی کا امکان نہیں انہیں میں وہ لوگ پائے جاسکتے ہیں جن میں حقیقت کی تلاش و جستجو کا جذبہ کارفرما ہے۔ اگر ان گروہوں کا دامن حق و صداقت کی طلب و یافت سے تہی رہا تو پھر اس کو پالینے کا موقع اور کہاں میسر آسکتا ہے؟ ....

یہ سوچ کر میں نے طے کیا کہ ان چاروں فرقوں کے عقائد کی چھان بین کرنا چاہیئے اور ان کی راہ پر چند قدم چلنا چاہیئے کہ ان کے پاس کیا کچھ ہے"۔ چنانچہ امام صاحب نے ان گروہوں کو موضوع بنایا۔ ان کے افکار و عقائد کا جائزہ لیا۔ ان کے دعاوی کو جانچا پرکھا اور پھر اس کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کی۔ فرماتے ہیں۔ "میں نے ہر ہر گروہ کے عقائد کی چھان بین کی اور ہر ہر مذہب کے اسرار معلوم کرنے کی تگ و دو کی تاکہ اہل حق اور اہل باطل میں خط امتیاز کھینچ سکوں۔ اور یہ جان سکوں کہ سنی کون ہے اور بدعتی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔ میں نے نہ کسی باطنی کو اس کی باطنیت کا جائزہ لئے بغیر چھوڑا اور نہ کسی ظاہری کو یہ جانے بغیر معاف کیا کہ اس کی ظاہریت کا حاصل کیا ہے۔ اسی طرح نہ میرے ہاتھ سے کوئی فلسفی ہی چھوٹا اور نہ متکلم۔ فلسفی کا فلسفہ جاننے کی کوشش کی اور متکلم کے بارے میں یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس کا کیا مقصد ہے اور اس کی قیل و قال اور بحث و جدال کن امور تک وسیع ہے۔ صوفی اور عابد کو بھی پرکھا تاکہ اندازہ ہوسکے کہ اس کی پاک بازی کن چیزوں میں منحصر ہے اور اس کی عبادت کے کیا ثمرات ہیں؟ اس طرح میرے حلقۂ تنقید میں زندیق و معطل تک آگئے"۔

سب سے پہلے امام غزالی نے علم الکلام کو اپنا موضوع بنایا۔ اس کے بعد فلسفہ و حکمت، پھر باطنیہ کی تعلیمات اور سب سے آخر میں صوفیاء کے افکار و احوال سے علماً و عملاً واقفیت بہم پہنچائی اور پھر پوری ذمہ داری کے ساتھ ایک شناسا اور واقف احوال و افکار کی حیثیت سے تصوف اور صوفیاء کرام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ہمارے پیش نظر موضوع کا تعلق اسی آخری گروہ کے بارے میں امام غزالی کی رائے اور ان کے خیالات سے ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ امام صاحب سب سے پہلے متکلمین، پھر فلاسفہ اور پھر باطنیہ کی طرف متوجہ ہوئے لیکن ان کے افکار و دعاوی انہیں مطمئن نہ کرسکے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"المنقذ من الضلال" میں اپنے فکر و مطالعہ کی سرگزشت بیان کی ہے اور اپنی دیگر تصانیف میں ان فرقوں کی تعلیمات اور ان کے افکار کا رد کیا ہے۔ ان تمام علوم کے مطالعہ کے بعد وہ صوفیاء کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ان کتابوں کا مطالعہ کیا جن میں اسرار و رموز تصوف کی نقاب کشائی کی گئی تھی۔ لیکن اس ابتدائی مطالعہ کے دوران ہی میں انہیں معلوم ہو گیا کہ تصوف کی راہ صرف علم کی راہ نہیں بلکہ علم و عمل دونوں کی راہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نفس کی دشوار گذار گھاٹیوں کو عبور کیا جائے۔ اخلاق ذمیمہ کو ترک کر کے دل کو اس لائق ٹھہرایا جائے کہ اس میں غیر اللہ کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہ رہے اور اللہ کے ذکر اور یاد کے ساتھ اس کی آبادی اور زینت کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے بغیر تصوف کے لطائف اور خصوصی اسرار کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ امام صاحب نے صوفیاء کی صحبت سے بھی استفادہ کیا۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرات اصحاب اقوال نہیں اصحاب احوال ہیں۔ اب جہاں تک سماع و تعلیم کے فوائد کا تعلق تھا، وہ اپنا دامن بھر چکے تھے لیکن ذوق و سلوک کی منزل ابھی دور تھی اور اس منزل میں ایک قدم بھی نہ اٹھایا جا سکتا تھا جب تک قلب کو تمام علائق دنیوی اور نفس کو خواہشات سے پاک نہ کر لیا جائے۔ اس اعتبار سے انہوں نے اپنے احوال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ نفس خواہشات میں مبتلا اور قلب علائق دنیوی میں گھرا ہوا ہے۔ طلب حق کا تقاضا یہ تھا کہ تمام علائق کو قطع کیا جائے۔ خواہشات پر قابو پایا جائے اور پوری توجہ اور ہمت سے اللہ کی طرف عنانِ التفات پھیری جائے لیکن یہ مقام آسانی سے میسر آنے والا نہ تھا۔ اس کے عزت و جاہ کو ٹھکرانا پڑتا ہے۔ مال و دولت کی محبت اور ہر طرح کے لگاؤ اور شور و غل سے دل کو ہٹانا پڑتا ہے۔ امام صاحب کے لئے اگرچہ موانع راہ کم نہ تھے لیکن انہوں نے سب پر قابو پا لیا۔

کوئی زنجیر نہ تھی جو اس طالب صادق کے پیروں میں ڈالی جاتی۔ کوئی تعلق و علاقہ نہ تھا جو اس کے ارادہ کو بدل دیتا یا توجہ کو کسی دوسری جانب پھیر دیتا۔ وہ مسند تعلیم و تدریس سے دامن جھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ مداحوں اور عقیدت مندوں کی مدح سرائیوں اور عقیدت کیشیوں کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ مال و دولت کو بقدر کفالت بچوں کے لئے چھوڑ کر باقی سب اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ اگرچہ زندگی کی راحتوں اور دلفریبیوں نے اپنے جال پھیلائے لیکن یہ طالبِ صادق بیک جنبش عزم و حرکت عمل ہر دام سے نکل گیا۔ راہِ سلوک کی یہ شرط اول ہے کہ قلب کو ماسوا اللہ سے پاک کر لیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دل کو اللہ کے ذکر میں مستغرق رکھا جائے۔

یہ سوچ کر وہ بغداد سے نکل کھڑے ہوئے۔ دو سال تک شام میں مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے یہاں سے بیت المقدس کا رخ کیا۔ ایک مدت تک وہاں خلوت کی نعمتوں سے بہرہ مند اور عبادت میں مصروف رہے۔ پھر حج کے شوق نے دل میں کروٹ لی اور مکہ اور مدینہ کے فیوض و برکات سے مشرف ہوئے اس کے بعد وطن لوٹ آئے۔ جس مقصد کے لئے انہوں نے یہ سفر کیا تھا، اس میں مجاہدہ و ریاضت کی کس منزل سے گذرے تھے، اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں۔

"بغداد چھوڑنے کے بعد میں نے شام کا رخ کیا۔ اور تقریباً دو سال تک یہاں رہنا پڑا۔ ان دو سالوں میں عزلت و خلوت اور مجاہدہ و ریاضت شب و روز کا مشغلہ تھا۔ غرض یہ تھی کہ تزکیہ نفس کی نعمت کو پاؤں۔ اخلاق سنواریں اور قلب اللہ کے یاد کے لئے یکسوئی حاصل کرلے۔ یہ لائحہ عمل وہی تھا جس کو میں نے صوفیا سے سیکھا تھا۔ میرا یہ روزانہ کا معمول ہو گیا تھا کہ دمشق کی ایک مسجد کے منارہ پر چڑھ جاتا اور دروازہ بند کر کے ذکر و شغل میں دن بھر لگا رہتا۔ پھر یہاں سے بیت المقدس کو منتقل ہو گیا اور مقام صخرہ میں ہر روز جا کر عبادت میں مشغول رہنے لگا۔"

بیت المقدس سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔ بعدہٗ وطن تشریف لائے لیکن اب دل ذوق و سلوک کی جس کیفیت سے آشنا ہو چکا تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ عزلت و خلوت کا انتظام کیا جائے۔ فرماتے ہیں مجبوریوں کے باوجود تصفیہ قلب کی خاطر خلوت و علیحدگی کا انتظام کرتا رہا۔ اور جس طرح بھی بن پڑا ذکر و فکر اور خلوت و عزلت کے لمحوں سے استفادہ کرنے میں کوتاہی نہ ہونے دی (سرگزشت غزالی ص ۱۵۹، ۱۶۰)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس کشاکش اور خلوت و مراقبہ پر دس سال گذر گئے اس عرصہ میں ایسے ایسے امور کا انکشاف ہوا کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ اس مرحلہ پر صرف اس قدر بتا دینا ہے جس کا جاننا مفید ہو۔

مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیاء ہی کا گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔ انہیں کی سیرت سب سے بہتر ہے انہیں کا طریقہ سب سے صاف ہے اور انہیں کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں۔ بلکہ اگر تمام عقلاء و حکماء کی عقل و حکمت کو جمع کر لیا جائے اور وہ واقفان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت کے اسرار و حکم کو بھی ملا لیا جائے تاکہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچہ کو بدلنا ضروری نہ ہوگا۔ کیونکہ صوفیاء کی تمام حرکات و سکنات چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی، مشکوٰۃ نبوت ہی سے مستنیر ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر کوئی روئے زمین پر اس لائق نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کی جائے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"جس نے تصوف کی بہرہ مندیوں سے اپنا دامنِ طلب نہیں بھرا اس نے حقیقت نبوت کی بو بھی نہیں سونگھی اور سجز نام کے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ لیکن تصوف کی بہرہ مندیاں حاصل نہیں کی جا سکتیں جب تک کہ صوفیاء کرام کی صحبت میں نہ بیٹھا جائے اور ان کے طریق پر نہ چلا جائے۔ یہی وہ سب سے بڑی حقیقت ہے جو اس راہ میں امام غزالی کو میسر آئی۔ فرماتے ہیں۔ "صوفیاء کرام کے ساتھ نشست و برخاست رکھنے اور ان کے طریق پر چلنے سے مجھ پر جو سب سے بڑی چیز منکشف ہوئی وہ نبوت کی حقیقت اور اس کے خواص ہیں۔"

اس کے بعد امام صاحب نے ثابت کیا ہے کہ نبوت عقل و شعور سے آگے کا مقام ہے جس کا ادراک ہم قوائے حاسہ و مدرکہ سے نہیں کر سکتے۔ البتہ خود ہمارے اندر اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی چیزیں رکھ دی ہیں جو برابر ہمارے مشاہدہ و تجربہ میں آتی ہیں جن سے نبوت کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے آپ نے اس موقع پر خواب و رویاء کی مثال دے کر نبوت کو ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ خواب و رویا کے سوا نبوت کی تصدیق کا کوئی عملی ذریعہ نہیں۔ یا پھر پیغمبر کے حالات زندگی اس کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام چیزیں بس نبوت کیلئے ثبوت بہم پہنچا دیتی ہیں، خواصِ نبوت تک اُن کے ذریعہ رسائی ممکن نہیں۔ لیکن ایک سالک کو سلوک کی ابتدائی منازل ہی میں ایسے ایسے مشاہدات اور تجربات ہوتے ہیں کہ پھر اسے نہ خواب کے نمونہ اور تمثال کی ضرورت پڑتی ہے نہ عقلی دلائل کی۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔

"اس نمونہ اور تمثال کو پالینے کے لئے زیادہ ریاضت کی ضرورت نہیں۔ یہ سلوک کی ابتدائی منزلوں میں حاصل ہو جاتا ہے اور اتنے ہی سے ایک طرح کے ذوق کی چاشنی سے سالک آشنا ہو جاتا ہے اور ان امور نبوت کی تصدیق سے بہرہ مند ہو جاتا ہے جن کی تصدیق عقل و قیاس آرائی سے ہونیوالی نہیں۔ غور کیجئے گا تو تنہا یہی خصوصیت نبوت پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ بات خود تصوف کی عظمت اور اس کی ضرورت واہمیت کے ثبوت کے لئے بھی کافی ہے جب سالک سلوک کی ابتدائی منزلوں سے آگے بڑھتا ہے تو اس پر خواص نبوت بھی منکشف ہوجاتے ہیں۔ خواص نبوت تک رسائی نہ عقل کے ذریعے ممکن ہے نہ کوئی نمونہ وتمثال یہاں مفید ہوسکتا ہے یہاں تک صرف ذوق تصوف ہی رہنمائی کرتا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں۔

"اس کے سوا جو نبوت کے خواص ہیں، ان کا علم صرف اس ذوق ہی سے حاصل ہوسکتا ہے جو جادۂ تصوف پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔"

یہ جو کچھ عرض کیا گیا امام غزالی کے واردات تھے سوال ابھی باقی ہے کہ علمی نقطۂ نظر سے تصوف کی کیا قدر وقیمت اور علوم ظاہری کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہے۔ انہیں ہی کے الفاظ میں ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

جس طرح صوفیائے کرام کو ارباب قلوب، اصحاب احوال اور علمائے باطن بھی کہا جاتا ہے اسی طرح تصوف کا دوسرا نام علم آخرت یا علم باطن بھی ہے۔ اس کے مقابلے میں علوم ظاہری ہیں جن میں فقہ و معقولات وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔ علم باطن کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ "وہ علمائے ظاہر جنہیں زہد وورع کا ذوق بھی عطا ہوا ہے، ہمیشہ ارباب قلوب کے مداح رہے ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ شیبان الراعی کے سامنے اس ادب و احترام کے ساتھ بیٹھتے تھے کہ جیسے مکتب میں کوئی بچہ استاد کے سامنے بیٹھتا ہے اور مختلف مسائل کے بارے میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ جیسا جلیل القدر امام اور بدوی سے یوں مسائل پوچھے تعجب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ان ھذا وفق لما اغفلناہ، اسے کچھ ایسی چیزوں سے بہرہ ملا ہے جس سے ہم غافل رہے۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور یحییٰ بن معین برابر معروف کرخیؒ کے پاس آتے جاتے حالانکہ علم ظاہر میں یہ ان کے پایہ کے نہ تھے۔"

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علوم ظاہر اور علوم باطن میں کسی قسم کا اختلاف ہے اس کی وجہ شاید بعض علماء ظاہر کا تشدد اور تصوف کی مخالفت ہے یا بعض جاہل صوفیاء کا علماء ظاہر کے متعلق سخت رویہ۔ لیکن واقعتاً دونوں قسم کے علوم میں کوئی تضاد اور کوئی مخالفت نہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ علماء ظاہر و باطن کے متعلق یہ قول بالکل صحیح ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء الظاھر زینۃ الارض والملک　　　علماء ظاہر زمین اور ملک کی زینت ہیں اور

وعلماء الباطن زینۃ السماء والملکوت　　　علماء باطن سے آسمان و ملکوت کی رونق ہے

ان کے نزدیک دونوں سے استفادہ کیا جانا چاہیئے لیکن اس میں وہ ایک ترتیب کے قائل ہیں یعنی پہلے علم حدیث حاصل کیا جائے پھر تصوف کی طرف توجہ کی جائے۔ اس کی ضرورت کے ثبوت کے لئے انھوں نے حضرت جنید اور ان کے شیخ سری رحمتہ اللہ علیہ کے ایک واقعہ سے اور حضرت سریؒ کی جنیدؒ کو نصیحت اور دعا سے استدلال کیا ہے۔ حضرت سری نے جنید کو دعا دی تھی کہ

جعلک اللہ صاحب حدیث صوفیا　　　اللہ تمہیں صاحب حدیث صوفی بنائے

ولاجعلک صوفیاً صاحب حدیث　　　ایسا صوفی نہ بنائے جو صاحب حدیث ہو

پھر اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ جو شخص پہلے حدیث و علم سے اپنی پیاس بجھا لیتا ہے اور پھر تصوف سے سیرابی حاصل کرتا ہے وہ کامیاب رہتا ہے اور جو علم حاصل کئے بغیر اس میدان میں قدم رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا خطرہ مول لیتا ہے۔

لیکن ابھی یہ سوال تشنہ ہے کہ آخر تصوف یا علم آخرت ہے کیا؟ یہ علم کن چیزوں سے عبارت ہے؟ اگرچہ یہ چیز آگے چل کر جہاں ہم علم مکاشفہ اور علم معاملہ کی تعریفات اور ان کے حدود کے بارے میں امام غزالی کے افکار پیش کریں گے، وضاحت آرہی ہے لیکن یہاں ہم بالاختصار ان کے الفاظ میں اس علم کے موضوع کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔

"علم آخرت سے ہماری مراد ہے کہ قلب کو پاک کرنے اور چمکانے کا فن سیکھا جائے۔ کیونکہ یہ آئینہ ایسا ہے کہ اس پر سے جہاں گرد و غبار دور ہوا اور یہ چمکا، حجاب اٹھ گیا اور اللہ تعالےٰ کی صفات و افعال کا علم اس میں اپنا عکس ڈالنے لگا۔ دل کا یہ آئینہ کیونکر پاک ہوتا ہے اور کب اس لائق ہوتا ہے کہ حقائق اشیاء اس پر اپنا پرتو ڈالیں ..... یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ جس قدر انسان شہوات و خواہشات کی پیروی سے اپنا دامن بچاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتا ہے اور اپنے نفس کو حق تعالےٰ کے روبرو کرتا ہے، اسی نسبت سے اس پر معارف و حقائق کے دروازے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں لیکن دلوں کو چمکانے اور صیقل کرنے کا یہ علم کتابوں میں مدون نہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کو یہ علم حاصل ہے وہ اس وقت تک کسی کو نہیں بتاتے جب تک اس کی صلاحیت اور اہلیت سے وہ پوری طرح مطمئن نہ ہو جائیں۔ اس حدیث میں اس گروہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

علم کی ایک ایسی قسم بھی ہے جو دلوں میں پنہاں رہتی ہے اور اس کو سوائے اہل معرفت کے اور کوئی نہیں جانتا، سو جب وہ اس کا اظہار کریں تو وہی لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے میں ہیں۔ تم ایسے عالم کی تحقیر نہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے اس علم سے نواز رکھا ہے۔ کیونکہ جب اس نے اس علم کو عطا کر کے اس کی عزت افزائی کی ہے تو تم تحقیر کرنے والے کون ہو؟

(افکار غزالی ص۱۷۱)

علوم آخرت کے اقسام کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ اتنا سمجھ لیجئے کہ ان کی موٹی موٹی دو قسمیں ہیں۔ (۱) علم مکاشفہ (۲) علم معاملہ۔ امام غزالی نے دونوں اقسام کی جو تعریف کی ہے اس میں تصوف کی پوری حقیقت اور اس کی تعریف اور موضوع کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

موضوع کی اس وضاحت کے بعد کسی انصاف پسند کے لئے اعتراض و مخالفت کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ علم مکاشفہ علم باطن کا دوسرا نام ہے اور یہ کہنا کہ یہ علوم کی غرض و غایت ہے، ذرہ بھر بھی مبالغہ پر مبنی نہیں۔ چنانچہ ایک عارف کا قول ہے کہ "جس شخص کا اس میں حصہ نہیں اس کے بارے میں سُوءِ عاقبت کا اندیشہ ہے اور اس حصہ کی ادنیٰ مقدار جو ہر مسلمان میں ہونا چاہیئے یہ ہے کہ اس کی اہمیتوں کو تسلیم کیا جائے اور جو گروہ اس علم سے بہرہ مند ہے، اس کو مانا جائے۔ اس علم کی ایک شرط بھی ہے، اس کے بغیر اس کا تحقق نہیں ہو پاتا۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کبر و بدعت کے مصائب سے اپنے دامن عمل کو بچائے رکھے۔ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ جس شخص کے دل میں دنیا کی محبت ہو اور جو خواہشات نفس پر اصرار کرنے کا عادی ہو، وہ اس علم کی برکات سے فائدہ اٹھانے کے لائق نہیں۔ اور اس سے محروم رہنے کی کم از کم عقوبت یہ ہے کہ انسان ذوقِ آخرت سے محرومی اختیار کرلے۔

"یہ صدیقین (مقربین) کا علم ہے اس سے باطن و قلب میں ایک طرح کا نور پیدا ہو جاتا ہے، بشرطیکہ تزکیہ و تطہیر کی ضروری منزلیں طے کر لی جائیں اور قلب کو ذمائم اخلاق سے پاک کر لیا جائے۔ یہ نور جب دل کی گہرائیوں میں ابھرتا ہے تو انسان پر حقیقی معرفت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور پہلے جن چیزوں کے صرف نام ہی سے یہ آشنا ہوتا ہے، اب ان کی حقیقت اور معنی کا بھی اس پر انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب یہ اس نور کی وساطت سے جاننے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کن اسرار کی حامل ہے، اس کی صفات کا کیا عالم ہے، اور اس کا کائنات سے کیا تعلق ہے؟ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور یہ کیونکر عقبیٰ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے، نبی کسے کہتے ہیں اور نبوت و وحی کس چیز سے تعبیر ہے؟ فرشتے کیونکر اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتے ہیں اور انبیاء کو کس طرح زمین و آسمان کی بادشاہت کا علم ہو جاتا ہے؟ اب یہ اس آویزش سے بھی باخبر ہو جاتا ہے جو خود اس کے دل کے اندر بپا ہوتی ہے اور اپنی چشم معرفت سے دیکھنے لگتا ہے کہ عساکر شیطان ملائکہ رحمانی سے کیونکر دست و گریباں ہوتے ہیں؟ ملائکہ کی تحریک کیلئے ہے اور شیطان کی ترغیب کسے کہتے ہیں؟ آخرت کی پہچان کیا ہے اور جنت و دوزخ کا عرفان کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اب اس پر عذاب قبر، پل صراط اور میزان وغیرہ کی حقیقتیں خود بخود واضح ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

جنت و دوزخ اور عقبیٰ و آخرت کے مسائل کی تعبیر میں اہل ظاہر میں اختلاف موجود ہے اجر و ثواب کی صورت کہ حواس ظاہری کی وہاں تک رسائی نہیں لیکن علم مکاشفہ ہی ہے جس سے ان تمام اشیاء کا حقیقی مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے اور اس طور سے چیزیں منکشف ہوتی ہیں گویا ان کو جسم کی ظاہری آنکھ سے دیکھا جا رہا ہے۔

علم آخرت کی دوسری قسم علم معاملہ ہے اس کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں علم معاملہ کے معنی یہ ہیں کہ احوال قلب سے تعرض کیا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ کیا کیا اخلاق و عادات خوب اور محمود ہیں۔ اور کن سے احتراز لازم ہے۔ اور اگر کوئی شخص سوء اخلاق کا مریض ہو تو یہ جاننا بھی اس کے علم کے دائرہ بحث میں ہے کہ معاملہ کی کیا کیا شکلیں ہیں۔

عمدہ اور بہترین اخلاق جن کا حصول ضروری ہے، یہ ہیں۔ صبر و شکر، خوف و رجا، زہد و تقویٰ، قناعت و سخاوت، اللہ تعالیٰ کے تمام احسانات کا احساس، اس کے ساتھ حسن ظن، خلق اللہ کے ساتھ اچھا معاملہ اور صدق و اخلاص وغیرہ۔

اور جن کی مذمت آئی ہے اور جن سے پرہیز کرنا واجب ہے وہ اس انداز کے ہیں جیسے۔ فقر و افلاس کا دھڑکا لگا رہنا اور جو چیز میسر ہو اس سے خفا اور بیزار رہنا، کیونکہ حسد و کینہ، دھوکا اور طلب جاہ اپنی تعریف کا خواہاں اور طالب ہونا، دنیا میں زیادہ عرصہ تک زندہ رہنے کی آرزو رکھنا، کبر و ریا، غضب و عداوت اور طمع و بخل یا خواہشات کی فراوانی اور عز و درد۔ اغنیاء کی تعظیم و احترام اور فقراء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی توہین، تنافس ومباہات، حق سے اعراض اور لایعنی باتوں میں شغف۔ زیادہ بات چیت اور گفتگو کی عادت، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے بن سنور کر آنا، مداہنت، اپنے عیوب سے غافل رہنا اور دوسروں کے نقائص کا کھوج لگانا۔ دل سے خشیت وخوف کا زوال، اپنے لئے انتقام کا شدید جذبہ اور حق کے لئے غیرت کا فقدان وضعف۔ یہ اور ان کی طرح کئی اور عادتیں ایسی ہیں جو اعمال مذمومہ کا باعث ہوتی ہیں اور دل میں ان کی وجہ سے فواحش ومنکرات کی بیماریاں جڑ پکڑتی ہیں۔"

امام غزالی نے علم المعاملہ کو "اخلاق وعادات کی اصلاح کا علم" سے تعبیر کیا ہے ان کے نزدیک یہ علم فرض عین ہے اور اس سے روگردانی ہلاکت وبربادی کا موجب۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "ہمارے نزدیک جہاں تک علم المعاملہ، اخلاق وعادات کی اصلاح کا تعلق ہے، فرض عین ہے اور اس سے روگردانی اسی طرح ہلاکت وبربادی کا موجب ہے جس طرح اعمال ظاہرہ سے اعراض فقہاء کے نزدیک تباہی کا سبب ہے۔" (افکار غزالی ص۱۷۵)

یہ تھے تصوف کے بارے میں امام غزالی کے تصورات بلکہ یقینیات یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ موصوف جو ابتداء میں ایک کامیاب مناظر ومتکلم تھے اور علوم ظاہریہ کی بہت سی خصوصیات وکمالات کے حامل تھے۔ تشکیک وتذبذب میں مبتلا رہے۔ اس چیز نے ان کو مختلف گروہوں کے علوم وافکار کی تحقیق پر متوجہ کیا۔ تصوف سے ان کو خاص شغف پیدا ہوا۔ ذوق وسلوک کی منازل طے کیں اور جن اولیات کے یقین کے لئے نہ فلسفہ کے دامن میں کچھ ملا۔ نہ باطنیہ کے علوم وعقائد ان کی اس بیماری کا مداوا کر سکے۔ نہ علم کلام ومناظرہ نے ان کی دستگیری کی، ذوق وسلوک نے نہ صرف یقین وایمان کی دولت سے مالا مال کر دیا بلکہ وہ تمام حقائق ان کے مشاہدات میں آ چکے تھے۔ اب وہ ان حقائق کو اس طرح دیکھ رہے تھے، گویا جسم کی آنکھ سے دیکھ رہے ہوں۔ اب وہ اس مقام پر فائز تھے جہاں کسی حقیقت کے یقین کے لئے دلیل وبرہان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اس روحانی سفر میں امام صاحب کن کن مقامات سے گذرے، ان کی کیفیات کیا تھیں اور معارف وحقائق کی کن کن جلوہ طرازیوں کا مشاہدہ کیا۔ یہ تمام باتیں ایسی ہیں جنھیں تحریر وبیان کی گرفت میں نہیں لایا جا سکتا اور اگر لے بھی آیا جائے تو یہ بات محل نظر ہے کہ اس سے ہدایت ہی حاصل کی جائے گی۔ ممکن ہے علماء ظاہر پرست اور نا اہل صوفیاء، دونوں گروہ ایک اپنی شدت مخالفت بے جا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ سے اور دوسرا بیجا غلو کی وجہ سے راہِ حق سے بھٹک جائیں اور اپنی عاقبت خراب کرلیں۔ اس لئے اس مقام سے غزالی یہ کہتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔

فکان ماکان مما لست اذکرہ فظن خیراً ولا تسئل عن الخبر

(جو ہوا سو ہوا۔ میں اس کی تفصیلات بیان کرنے والا نہیں پس حسن ظن سے کام لو اور حقیقت حال دریافت نہ کرو۔)

البتہ یہ بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ذوق وسلوک کی منازل بلندی سے گذرنے کے بعد آپ کی زندگی کے شب وروز کن حالات ومشاغل میں بسر ہوئے اور جس سفر کی تیاری کے لئے انہوں نے تقریباً دس سال خلوت وریاضت اور مجاہدہ کی شدتیں برداشت کی تھیں، اس سفر (آخرت) پر کس انداز میں روانہ ہوئے۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے "افکار غزالی" میں چند سطروں میں ان کے دس سالہ طلب ومجاہدہ کی غرض، اس کے نتائج وثمرات، آخری دور کے مشاغل اور ان کے سفر آخرت کی بڑی موثر تصویر کھینچ دی ہے۔ انہیں سطروں پر ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

"زہد وریاضت اور مجاہدہ وطلب کی شدتیں دراصل اس لئے جھیلی جاتی ہیں کہ سالک جب دنیا اور اس کے مشاغل کی طرف دوبارہ پلٹے تو اس حالت میں پلٹے کہ اس کا نفس رذائل سے پاک ہو چکا ہو۔ خواہشات نے اس پر قابو پانا چھوڑ دیا ہو اور دین ودنیا کے بارے میں ایسے زاویۂ نگاہ کا مالک ہو چکا ہو جو صد درجہ عادلانہ ہو۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہئے کہ مراقبہ واستغراق اور خلوت وانزوا یا زہد وریاضت کی سختیاں برداشت کرنے سے اونچے درجے کے صوفیاء کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ علم وادراک کے اس سرچشمہ تک رسائی حاصل کرلیں جہاں حقائق دینی کو صرف ادلہ وبراہین کی روشنی میں نہیں دیکھا جاتا بلکہ خود ان کا تجربہ بھی کیا جاتا ہے اور قلب وذہن میں ان مصالح وحِکَم کو محسوس کریں کہ جن کی بنا پر ان کو خلق اللہ کے لئے ضروری ٹھہرایا گیا ہے اور جب یہ کیفیت ان کو حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ ایک عام مصلح کی طرح زندگی کے تمام انفرادی واجتماعی امور میں حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔

"غزالی نے بھی اس اصول پر عمل کیا۔ چنانچہ پہلے تو یہ نظامیہ نیشاپور میں سلطان وقت کے ایماء سے درس وتدریس کی مہم میں مصروف ہوئے اور پھر اپنے وطن طوس میں آرہے۔ یہاں رہ کر تعلیم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تربیت کے دو مرکز قائم کئے ایک مسجد تعمیر کی جس میں علوم ظاہریہ کی تکمیل کرائی جاتی اور ایک خانقاہ بنوائی جس میں طالب علموں کو تزکیہ و تطہیر کی منزلوں سے گذارا جاتا تھا۔ گویا یہ دو سرچشمے تھے جن سے تشنگان حق سیر ہوتے تھے۔ یہاں یہ نہ دیکھئے کہ مسجد و خانقاہ کی غزالی نے کیوں تفریق پیدا کی اور کیوں مسجد ہی سے وہ کام نہ لیا جو خانقاہ سے لیا جاتا تھا۔ دیکھنے کی چیز یہاں یہ ہے کہ غزالی کی ژرف نگاہی نے دینی تعلیم کے سلسلے میں کس طرح اصل نقص کو بھانپ لیا۔ اور یہ جان لیا کہ آج کے علماء میں حرص و آز کی جو فراوانی اور دین سے حقیقی دلچسپی محبت کا جو فقدان ہے' اس کا واحد سبب ان کی روحانی و باطنی تعلیم کا نہ ہونا ہے اور پھر اس نقص کے ازالہ کا باقاعدہ اہتمام کیا۔ چنانچہ غزالی جب تک زندہ رہے ان دونوں مرکزوں کو بلا شرکت غیرے چلاتے رہے اور تعلیم و ارشاد کے دوگونہ فرائض خوش اسلوبی سے بنھاتے رہے۔ مگر افسوس ادراک و بینش اور معرفت و کشف کے بعد یہ جلیل القدر خدمات زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکیں یعنی ۴۹۹ھ کے لگ بھگ یہ دس برس کی عزلت گزینوں سے نکلے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

ابن الجوزی نے اپنی کتاب "الثبات عند الممات' میں موت سے پہلے کی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

پیر کے دن اول وقت صبح کی نماز پڑھی پھر کفن منگوایا۔ اور اس پر بوسہ دیا۔ پھر آنکھوں سے لگا کر کہا کہ مالک الملک کے دربار میں حاضر ہوں یہ کہہ کر قبلہ رو ہو کر لیٹ گئے' اور سپیدۂ صبح نمودار نہیں ہوا تھا کہ اللہ کو پیارے ہوئے۔

قاضی عبدالمالک المعانی ایسے مشاہیر نے دردناک مرثیے لکھے جو ادب و تاریخ کی کتابوں میں اب تک ثبت ہیں۔"

حضرت ابو [illegible] فرماتے ہیں کہ اگر میں ایک مسئلہ سیکھوں میرے نزدیک تمام رات کی شب بیداری سے اچھا ہے۔

(احیائے علوم الدین از امام غزالی)

© rasailojaraid.com